متحدہ بنگال کی سیاست میں
حسین شہید سہروردی کا کردار

۱۹۲۰ء - ۱۹۴۷ء

محمد آصف علی رضوی

مولوی فضل الحق نے حسین شہید سہروردی کی خدمات کا اعتراف یوں کیا:

... لیاقت علی خان اور انکے ساتھیوں کا خیال تھا کہ چونکہ قحط بنگال میں کم از کم ۲۵ تا ۳۵ لاکھ افراد کی ہلاکت ہوئی تھی اور ان ہلاک ہونے والوں میں نوے تا پچانوے فیصد مسلمان تھے، اس لئے مسلم لیگ کے بیشتر امیدواروں کی ضمانت ضبط ہو جائے گی- کانگریس کا بھی یہ خیال تھا اور خود میری (کرشک سرامک پارٹی) کے عہدیداروں کا بھی یہی خیال تھا- لیکن سہروردی (حسین شہید سہروردی) جو صوبائی مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری تھے، نے صوبائی مسلم لیگ کے صدر ابو الہاشم، سید راغب احسن، کلکتہ کے میئر محمد عثمان اورطاپنی چنڈال چوکڑی (مجیب، فضل القادر چودھری، ظہیر الدین اور مسیح الرحمان) کے ذریعے نوجوانوں اور خاص طور پر مسلم طلبا کو اور انور کے ذریعے مسلم تاجروں کو، عابد زبیری کے ذریعے مزدوروں کو اور مینا پشاوری کے ذریعے سربھرے مسلمانوں کو اسطرح منظم کیا کہ مسلم لیگ نے فتح حاصل کرلی[۱]-

حسین شہید سہروردی کے سب سے بڑے مخالف اے کے فضل الحق کی طرف سے ان کی صلاحیتوں کا یہ اعتراف سہروردی کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز ھے- مولوی فضل الحق کے خراج تحسین کے مندرجات سے اختلاف تو کیا جا سکتا ھے لیکن یہ طے شدہ بات ھے کہ سہروردی کے سب سے بڑے مخالف بھی یہ بات کہنے پر مجبور ہیں کہ ۱۹۴۵-۱۹۴٦ء کے تاریخ ساز الیکشن، جن کے نتائج نے قیام پاکستان کی توثیق کردی ، بنگال میں سہروردی کی بے پناہ صلاحیتوں کا ثمر تھے-

لہذا ہم برصغیر کی ملت اسلامیہ کے حقوق کے محافظ اور نامور شخصیت کے حالات زندگی، کردار اور کارناموں کا تجزیہ حسب ذیل پیش کرتے ہیں-

خاندانی پس منظر

حسین شہید سہروردی کا سلسلہ نسب تیرھویں صدی عیسوی کے مشہور صوفی بزرگ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی (۱۱۴۵-۱۲۳۵ء) کے ساتھ ملتا ھے[۲]، جن کا آبائی وطن عراق کا ایک شہر "سہرورد" تھا اور جو غوث الاعظم حضرت عبدالقادر الجیلانی (۱۱۶۶ء/۵۶۱ھ-۸-۱۰۷۷ء/۴۷۰ھ) کے شاگرد رشید تھے- شہاب الدین سہروردی علم و حکمت اور عبادت و ریاضت میں اپنی ذات میں انجمن تھے اور آپ نے ہی سلسلہ سہروردیہ کی بنیاد رکھی[۳]- بنگال میں اس سلسلہ کے آخری بزرگ شاہ امین الدین[۴] سہروردی تھے جو مشہور صوفی بزرگ شاہ رکن الدین سہروردی کے بیٹے تھے اور بنگال میں سہروردی خانقاھی نظام سے وابستہ تھے- رکن الدین کے تین بیٹے تھے - پہلے دو نے قانون کے پیشے کو اختیار کیا اور سب جج کے عہدوں پر پہنچے جو کہ برطانوی ہند میں ہندوستانیوں کے لئے اس وقت سب سے بلند منصب تھا- تیسرے اور آخری بیٹے کا نام عبیداللہ العبیدی[۵](۱۸۳۴-۱۸۸۶ء) تھا- جو بیک وقت عربی، فارسی، سنّسکرت اور دیگر ہندوستانی زبانوں کے عالم ہونے کے علاوہ انگریزی، لاطینی اور یونانی زبانوں کے بھی ماہر تھے- اس وقت ایسے لوگ خال خال ہی نظر آتے تھے- عبیداللہ العبیدی، حسین شہید سہروردی کے نانا تھے- اسی طرح ان کے دادا محمد علی سہروردی[۶] بھی اپنے زمانے کے عالم باعمل تھے جو ہندوستان کی کئی زبانوں کے ماہر ہونے کے علاوہ نہایت زندہ دل، فنون لطیفہ کے دلدادہ اور اعلیٰ انسانی اقدار کے حامل تھے-

حسین شہید سہروردی کے والد زاھد رحیم زھد (ف ۱۹۴۹ء) المعروف زاھد سہروردی گوناں گوں خصوصیات کے حامل انسان تھے- آپ نے کلکتہ یونیورسٹی سے ایم اے - ایل ایل بی کیا اور ڈسٹرکٹ کورٹ ۲۴ پرگنہ میں بطور پلیڈر اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا- بعد ازاں کلکتہ ھائی کورٹ میں

وکالت شروع کی- عمر کے اس حصے میں جبکہ ان کے دونوں بیٹے شاہد اور شہید اعلی تعلیم کے لئے بیرون ملک گئے ہوئے تھے ، وہ خود بھی بار ایٹ لاء کرنے کے لئے لندن روانہ ہوگئے- وھاں سے کامیابی کے بعد واپس ہوئے اور بہت جلد اپنی اعلی خداداد صلاحیتوں، محنت، لگن اور عالمانہ بصیرت کی وجہ سے کلکتہ کے صف اول کے وکلا میں شمار ہونے لگے- بعد ازاں وہ کلکتہ ھائی کورٹ کے جج بنے اور اس کے بعد ان کو سر کا خطاب دیا گیا- ۱۹۴۹ء میں ان کی وفات پر اخبار ڈان نے لکھا کہ زاھد سہروردی کی وفات بنگال کے آخری بڑے انسان کی وفات ھے[۷]-

حسین شہید سہروردی کی والدہ محترمہ خجستہ اختر بانو بھی نہایت پڑھی لکھی اور ارفع و اعلی خصوصیات کی حامل خاتون تھیں- وہ پورے ھند کی ان چند مسلمان خواتین میں سے تھیں جو کہ فارسی و عربی کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان پر بھی کامل دسترس رکھتی تھیں - وہ عربی و فارسی کی شاعرہ ہونے کے ساتھ ساتھ کلکتہ یونیورسٹی میں ایم-اے عربی زبان کی پہلی خاتون ممتحن تھیں اور ھندوستان میں پہلی مسلم خاتون تھیں جنھوں نے سینیئر کیمبرج کا امتحان پاس کیا- انھوں نے انڈین بورڈ برائے امتحانات سے فارسی ادب میں بی اے آنرز کیا[۸]-

ابتدائی زندگی

اس علمی ماحول اور خاندانی وجاھت کے تناظر میں حسین سہروردی ۸ ستمبر ۱۸۹۲[۹] کو مدناپور (مغربی بنگال) میں پیدا ہوئے- خاندانی روایات کے مطابق ابتدائی تعلیم و تربیت کا آغاز گھر سے ہوا- ان کے گھر کی تعلیم و تربیت جسکی چھاپ ان کی زندگی میں ھمیشہ نظر آتی رہی، ان کے ماموں سر عبداللہ مامون سہروردی[۱۰] اور ان کی والدہ کی مرھون منت تھی- بعد ازاں وہ ڈھاکہ مدرسہ عالیہ میں داخل ہوگئے- یہاں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے کلکتہ کالج میں داخلہ لیا جہاں سے سائنس میں آنرز کے ساتھ

گریجویشن کیا[۱۱]- محمد بدر منیر نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ھے کہ:

آکسفورڈ سے قانون کے امتحان میں نمایاں کامیابی کے بعد جب سہروردی وطن واپس آئے تو ان کی والدہ محترمہ نے کہا کہ جب تک تم ایم اے عربی نہیں کرو گے میں تمھاری قابلیت تسلیم نہیں کرونگی[۱۲]-

سہروردی نے ایم اے عربی یقیناً کیا اور بلاشبہ یہ ان کی والدہ کی شدید خواہش بھی تھی لیکن ایم اے عربی انھوں نے ۱۹۱۳ء میں کیا- اسی سال وہ اعلی تعلیم کے لئے لندن روانہ ھوئے- بی ایس سی آنرز، آکسفورڈ یونیورسٹی سے کیا اور پھر اسی یونیورسٹی سے بی سی ایل کی ڈگری لی- اس کے بعد گرے ان سے قانون کی اعلی تعلیم حاصل کرکے ۱۹۱۸ء میں وطن واپس آئے[۱۳]-

وطن واپسی پر سہروردی نے سر عبدالرحیم[۱۴] (۱۸۶۷ - ۱۹۴۷ء) کی صاحبزادی نیاز فاطمہ سے ۱۹۲۰ء میں شادی کی جو ۱۹۲۲ء میں ایک بیٹا شہاب سہروردی اور ایک صاحبزادی اختر جہاں کو چھوڑ کر انتقال کر گئیں[۱۵]- ۱۹٤۰ء میں سہروردی نے ایک روسی اداکارہ ویرا ٹیسنکو (Vera Tiscenko) سے شادی کی- ویرا رنگ و بو کی دنیا کی باسی تھی جبکہ سہروردی نے سیاست کی آبلہ پائی میں وقت گزارنا تھا لہذا یہ ایک ان مل اور بے جوڑ شادی تھی- جس نے بالآخر ناکامی پر منتج ھونا ہی تھا اور شادی کے ٦ سال بعد ویرا اور سہروردی میں علیحدگی ھوگئی[۱٦]- ویرا کے ہاں ایک لڑکا پیدا ھوا جسکا نام رشید سہروردی رکھا گیا- رشید نے رائل اکیڈمی آف ڈرامیٹک آرٹ لندن سے گریجویشن کرکے رائل شیکسپیئر کمپنی میں ملازمت اختیار کرلی-

قومی خدمات کا آغاز

سہروردی وطن واپس لوٹے تو سارا ھندوستان ایک ہیجانی دور سے گزر رہا تھا- پہلی عالمی جنگ کا خاتمہ ھوچکا تھا اور ترکی کے مستقبل نے پورے ہند کی ملت اسلامیہ کو مضطرب کر رکھا تھا- جلیانوالہ باغ (۱۹۱۹ء) کے

واقعہ سے برطانوی استعماریت کے خلاف نفرت و عداوت کے جذبات اپنی انتہا پر تھے- ان جذبات کو متحرک و فعال بنانے میں تحریک خلافت اور علی برادران کی کوششیں بارآور ثابت ہورہی تھیں- اس تحریک میں ہندو مسلم بھائی بھائی کے نعروں اور انڈین نیشنل کانگریس کی شمولیت نے سیاست کو عظمت اور سیاسی رہنماؤں حتی کہ کارکنوں تک کو تقدس اور وقار بخشا ہوا تھا- مسلمانوں کے نزدیک مقامات مقدسہ کی حفاظت اور خلافت کا تحفظ جزو ایمان تھا- جبکہ ہندوؤں کے نزدیک حصول آزادی کے لئے یہ سب سے موزوں وقت تھا-

جہاں تک بنگال کا تعلق تھا وہاں صورتحال قدرے مختلف تھی- ہندوؤں کی طرف سے تقسیم بنگال (اکتوبر ۱۹۰۵ء) کی مخالفت اور اس میں ان کی کامیابی نے ہندو مسلم تفریق کی خلیج کو وسعت دی- ہندو جو پہلے ہی اپنی تعلیمی ترقی اور انگریزوں کے ساتھ تجارتی ملی بھگت[۱۷] کی وجہ سے بنگال میں سرکاری ملازمتوں اور تجارت پر چھائے ہوئے تھے، تنسیخ تقسیم بنگال (۱۹۱۱ء) کے بعد سیاست میں بھی طاقتور حریف بنکر سامنے آئے- اس سیاسی ماحول میں حسین شہید سہروردی نے اپنے سیاسی سفر کا آغاز کیا-

بحیثیت سیکرٹری خلافت کمیٹی بنگال

حسین سہروردی نے خلافت کمیٹی کے سیکرٹری (۱۹۲۰ء) کا عہدہ سنبھال کر اپنی سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا- حکومت بنگال نے خلافت کمیٹی کے رہنماؤں کے ساتھ جو غیر مہذبانہ سلوک کیا، اس کے خلاف سہروردی نے تیز و تند تقریریں کیں- اس ضمن میں وہ اس حد تک آگے چلے گئے کہ انہوں نے اپنے سسر سر عبدالرحیم، ہوم منسٹر کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا- اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ آئندہ کئی برسوں تک سہروردی اپنے بچوں سے بھی نہ مل سکے- کیونکہ ان کی اہلیہ کی وفات کے بعد ان کے دونوں بچے اپنے نانا کے زیر سایہ پرورش پا رہے تھے[۱۸]- سیاست میں قربانی دینے کا یہ انداز اور

حق گوئی و بے باکی، شہید سہروردی کی شناخت بن گئی جس کو انھوں نے آخر تک نبھایا- اگلے سال (۱۹۲۱ء) میں وہ خدیر پور کے صنعتی علاقے سے بنگال قانون ساز کونسل کے ممبر منتخب ہوئے[۱۹]- اپنے خاندانی پس منظر، آکسفورڈ یونیورسٹی کے تعلیمی ماحول اور فطری رجحان کے تحت انھوں نے حکومت کے جابرانہ اور غیر منصفانہ اقدامات کی مذمت پورے شدومد لیکن دلائل و شواھد کے ساتھ کی- اس عرصہ میں حکومت نے صوبائی قانون ساز کونسل میں Whipping Bill پیش کیا- اس موقعہ پر انھوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستانی جانور نہیں ہیں- یہ بھی اسی طرح کے انسان ھیں جس طرح کے انسان ان کے آقا گورے ہیں اور ان کے احساسات بھی بعینہ وہی ہیں جو کہ اہل برطانیہ کے ھیں- جس طرح پوری مہذب دنیا عزت نفس رکھتی ھے بالکل اسی طرح ہندوستانی بھی عزت نفس کی حامل قوم ھے- ممکن ھے کہ حکومت اس بل کو نامزد ممبران کی اعانت سے منظور کروانے میں کامیاب ہوجائے لیکن میں یہ امر بھی واضح کردینا چاہتا ہوں کہ یہ خلاف انسانیت ہوگا- اگر ہم برطانیہ کی وحشی طاقت کے سامنے سرنگوں ہو بھی جائیں تو تاریخ کم از کم یہ فیصلہ ضرور دیگی کہ ہم ماضی میں برطانیہ کی نسبت زیادہ مہذب تھے[۲۰]-

شہید سہروردی کی اس تقریر نے نہ صرف ان کے اندر چھپے ہوئے نڈر انسان کی نشاندھی کردی بلکہ سیاسی جماعتوں اور آزادی کے لئے جدوجہد کرنیوالی شخصیات نے بھی ان کی اعانت کی ضرورت محسوس کی[۲۱]- سہروردی نے بھی اس موقع کو غنیمت سمجھا اور جن سیاسی قوتوں نےانکی طرف دست تعاون بڑھایا، انھوں نے ان کو اپنے نظریات و خیالات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی[۲۲]- چنانچہ بنگال کے دیش بندھو سی آر داس اور سہروردی کے درمیان خیالات کی ہم آہنگی اور یکسانیت نے معاہدہ بنگال کو جنم دیا[۲۳]- یہ معاہدہ کافی حد تک بنگال کے مسلمانوں کے لئیے مفید تھا، جس

کی بنا پر ہندوؤں نے اسکی مخالفت شروع کردی لیکن سی آر داس نے ۱۹۲۳ء میں اسکو صوبائی و مرکزی کانگریس سے منظور کروا لیا اور بنگال کے سیاسی رہنماؤں نے بھی اسکی منظوری دے دی[۲۴]۔

کانگریس نے ۱۹۲۰ء میں مرکزی و صوبائی مجالس قانون ساز کے انتخابات کا بائیکاٹ کیا اور وہ آئندہ بھی اسکو جاری رکھنا چاہتی تھی لیکن ایک گروہ ان میں ایسا بھی تھا جو اس بات کا حامی تھا کہ انتخابات میں حصہ لے کر مجالس قانون ساز میں داخل ہونا چاہیے۔ اس گروہ کی قیادت سی آر داس اور موتی لال نہرو کر رہے تھے۔ چنانچہ بنگال میں سی آر داس نے ۱۹۲۳ء میں سوراجیہ پارٹی قائم کی۔ سہروردی نے اس پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن جیتا اور اسمبلی میں اس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر مقرر ہوئے۔ سوراجیہ پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن جیتنے کے باوجود وہ موقع بہ موقع بنگال مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کی راست ترجمانی کرتے رہتے تھے۔ ابتدائی برسوں میں اپنی بے باکی اور مسلمانوں کی ترجمانی کی وجہ سے ہی مجلس قانون ساز میں سہروردی خاصی اہمیت حاصل کر گئے تھے[۲۵]۔

۱۹۲۴ء میں کلکتہ میونسپل کمیٹی کو کارپوریشن کا درجہ ملا۔ سی آر داس اسکے میئر بنے اور سہروردی ڈپٹی میئر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ جون ۱۹۲۶ء میں کلکتہ کے ہندو مسلم فسادات کے موقع پر سہروردی نے مسلمانوں کے تحفظ اور بقا کے لئے جو تاریخ ساز کردار ادا کیا وہ بنگال کی مسلم تاریخ کا ایک ایسا روشن باب ہے جس نے سہروردی کے نام کو ہمیشہ کے لئے امر کردیا۔ اس وقت کلکتہ میں ہندوؤں کی آبادی ۷۸ فیصد تھی۔ پولیس میں ادنی سے لیکر اعلی تک تمام ہندو تھے۔ لامحالہ نقصان مسلمانوں کا ہی زیادہ ہونا تھا اُور ہوا بھی یہی۔ لیکن حکومتی مشینری کا کمال یہ ہوا کہ مقدمات مسلمانوں کے خلاف درج ہوئے مثلاً قتل کے ٦٤ مقدمات مسلمانوں کے خلاف اور صرف ایک ہندو کے خلاف درج ہوا[۲٦]۔ یہ کارنامہ تو حکومت کے اہلکاروں کا تھا لیکن ہندوؤں نے مسلم دشمنی میں اپنی اشیائے خورد ونوش

کی وہ دوکانیں بھی بند کردیں جو کہ مسلم اکثریتی علاقوں میں تھیں۔ اس طرح وہاں قحط کی سی صورت حال پیدا ہوگئی۔

سہروردی نے اپنے ڈپٹی میئر کے عہدے اور قانونی صلاحیتوں کا اس طرح ستعمال کیا کہ اگر ہزاروں نہیں تو کم از کم سینکڑوں مسلمانوں کی جانوں کو انھوں نے محفوظ کیا۔ صوبائی انتظامیہ کے ذمہ دار افراد سے ذاتی ملاقاتیں کیں اور ان پر زور دیا کہ وہ متاثرہ علاقوں میں امن و امان بحال کرکے مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کریں۔ انھوں نے رضاکار دستے تیار کئے اور اپنے اسکاؤٹ[۲۷] دستوں کو متاثرہ علاقوں میں روانہ کیا۔ اس ضمن میں انھوں نے ہر قسم کا اعصاب شکن دباؤ برداشت کیا۔ وہ اپنی جان کا خطرہ مول لیتے ہوئے فساد زدہ علاقوں میں پہنچے اور مصیبت زدہ مسلمانوں کو محفوظ مقامات تک لائے۔ مشرقی بنگال کے صاحب ثروت لوگوں سے عطیات وصول کرکے متاثرہ مسلمانوں کے دکھوں کا مداوا کیا۔ اس موقع پر سہروردی اگرچہ قانون کے پیشے میں نووارد تھے لیکن انھوں نے نہایت عرق ریزی، جانفشانی، تندہی اور مہارت سے متاثرہ مسلمانوں کا مقدمہ لڑا اور اپنے تمام مقدمات میں تمام لوگوں کو بری کرا لیا۔ اس طرح مسلمانان بنگال کے عموماً اور کلکتہ کی مسلم آبادی کے دلوں کو خصوصاً مسخر کرلیا اور کلکتہ کے مسلمانوں کے نجات دہندہ بنکر ابھرے۔

کلکتہ کے ان فسادات نے سہروردی پر بھی ھندو مسلم اتحاد کے دعوے کی قلعی کھولدی۔ ان فسادات کے دوران ان پر یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ ان کے پرانے کانگریسی ساتھی بھی مسلم دشمنی میں کسی سے کم نہیں ھیں اور ان کے جذبات بھی مسلمانوں کے آلام و مصائب پر ویسے ہی ھیں جیسے کہ فساد میں حصہ لینے والے ھندو بلوائیوں کے۔ لہذا حالات کے اس رخ نے سہروردی کے ذھن سے ھندی قومیت کا تصور پاش پاش کردیا اور وہ محض مسلم مفادات کے علمبردار بنکر سامنے آئے اور دوسرا نتیجہ یہ بھی نکلا کہ بقول سہروردی:

میں سمجھتا ہوں کہ مجھے کارپوریشن میں سیاسی تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا جس نے ایک کامیاب سیاستدان بننے میں میری بھرپور مدد کی۔ مجھے عوام کے مسائل کو سمجھنے، ملازمین کے ہتھکنڈوں کو جانچنے بلکہ سونگھنے کا طریقہ معلوم ہوا[۲۸]۔

مسلم نظریات کا نقیب

۱۹۲۸ء میں مہاراجہ الور کی زیر صدارت شملہ میں ایک امن کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے سرکردہ رہنماؤں نے شرکت کی۔ مسلمانوں کی طرف سے سہروردی بھی اسمیں شریک ہوئے۔ اس کانفرنس کے ہندو شرکاء کے خیالات سنکر سہروردی کا یہ یقین اور بھی راسخ ہوگیا کہ ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ ایک سراب ہے۔ چنانچہ وہ ہر اس کوشش کی راہ میں سنگ گراں بن گئے[۲۹] جو اس نظریہ کو تقویت بخش رہی تھی اور ہر اس تحریک کے علمبردار بن گئے جو مسلم قومیت کی نشوونما کررہی تھی۔ ۱۹۲۸ء میں ہی کانگریس نے کلکتہ میں اپنا اجلاس منعقد کیا۔ ڈاکٹر ایم اے انصاری نے اسکی صدارت کی اور کانگریس کے ہندی قومیت کے نظریئے کے راگ الاپے گئے۔ سہروردی نے اسکے جواب میں اسی ہفتہ میں آل انڈیا خلافت کانفرنس اسی شہر میں منعقد کی جس کی صدارت مولانا محمد علی جوہر نے کی[۳۰]۔ سہروردی نے عوام کو منظم کرنے اور سیاسی امور پر ان کی رہبری کرنے کا کام خلافت کمیٹی کے پلیٹ فارم سے شروع کیا تھا۔ بحیثیت جنرل سیکرٹری انہوں نے اسکو خاصا فعال اور متحرک کردیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ

میں خلافت کمیٹی کا سیکرٹری تھا اور میں نے بڑے جوش و خروش سے اس کے لئے کام کیا۔ پورے ہندوستان میں تحریک خلافت اگر کہیں مضبوط تھی تو وہ کلکتہ میں تھی۔ ان دنوں مولانا آزاد کی قیادت میں کانگریس بہت ہاتھ پاؤں مار رہی تھی کیونکہ مولانا ایک طویل عرصہ تک کلکتہ میں اپنی خطابت کا جادو جگا چکے تھے۔ اس لئے وہاں تحریک خلافت کے پاؤں جمنے ذرا مشکل تھے۔ لیکن میں نے وہاں تحریک کو منظم کیا اور مولانا آزاد کے مقابلے میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کے جلسے بہت کامیاب ہوئے۔ صرف کلکتہ تحریک کے باقاعدہ ۱۱ ہزار کارکنان تھے[۳۱]۔

اس تحریک سے وابستہ ہونے کے بعد سہروردی نے ایک نئے انداز سے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا- انہوں نے کلکتہ اور اس کے گردونواح کے شہروں میں خلافت کمیٹی کے جلسوں کا اہتمام کیا اور ان جلسوں میں مسلمانان عالم کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کی ہمدردی، وابستگی اور بھائی چارے کی تجویزوں پر تقاریر کیں- انہوں نے انگریزی حکومت کے وعدوں اور اسکی حکمت عملیوں کو بھی کھلم کھلا تنقید کا نشانہ بنایا-

تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد سہروردی نے بنگال مسلم کانفرنس کے نام سے صوبہ بھر کی تمام مسلم جماعتوں کے متحدہ جلسوں کے انعقاد کا آغاز کیا- اس ضمن میں پہلی کانفرنس ۲۳ دسمبر ۱۹۲۸ء کو منعقد ہوئی- سہروردی استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین تھے اور بحیثیت چیئرمین ان کا خطبہ نہرو رپورٹ پر تنقید سے بھرا ہوا تھا- دیگر دو کانفرنسیں ۱۶-۱۷ مئی ۱۹۳۱ء اور ۹-۱۰ جولائی ۱۹۳۲ء کو منعقد ہوئیں- ان میں بھی استقبالیہ کمیٹی کی سربراہی کا فریضہ سہروردی نے ادا کیا[۳۲]-

بحیثیت محنت کش رہنما

اس دور میں سہروردی کے کام کا ایک خاص پہلو عوامی رابطہ بھی تھا جو ہندوستان کی مسلم سیاسی شخصیات کے لئے شجر ممنوعہ تھا- کلکتہ برصغیر کے دو بڑے صنعتی شہروں میں سے ایک تھا جہاں دیہاتوں سے ہر سال ایک بڑی تعداد تلاش روزگار کے لئے پہنچتی تھی- ان کی تہی دامنی- رہائش اور روزگار کی اشد اور فوری ضرورت کو دیکھتے ہوئے فیکٹریوں کے مالکان انکو نہایت قلیل اجرت پر ملازم رکھتے تھے- سہروردی کا بظاہر کوئی بھی تعلق ان مجبور انسانوں سے نہیں تھا لیکن وہ ایک انسان دوست شخصیت تھے ، جنکا دل انسانوں کی محبت سے لبریز تھا- ان کا کہنا یہ تھا کہ

> ہم جن لوگوں کی خدمت کرنا چاہتے ہیں وہ ہمیں اکثر سرراہ مل جاتے ہیں- ہمیں چاہیے کہ ہم انہیں ہرگز نظر انداز نہ کریں کیونکہ ان میں کوئی ایسا

شخص ہوسکتا ہے جو کسی بھی وقت دنیا کی رہنمائی کرے اور امن کا سب سے بڑا علمبردار بن جائے[۳۳]۔

سہروردی نے اس قول پر عمل کرکے دکھایا۔ آپ نے سرمایہ داروں کے ہاتھوں ستائے ہوئے اور حالات کے سامنے بے بس انسانوں کو منظم کیا۔ چنانچہ نہایت ہی مختصر مدت میں مزدوروں، ملاحوں اور دیگر پیشوں سے متعلق محنت کشوں کی فلاحی و سودا کاری کی انجمنیں وجود میں آئیں جنکی قیادت نے بہتر انداز میں سوداکاری کی[۳٤]۔ سہروردی کے اس کردار نے بھی بے شمار لوگوں کو انکا مداح بنا دیا تھا۔ اس طرح ان کی مقبولیت میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا[۳۵]۔ اب وہ مزدوروں اور محنت کشوں کے لئے ایک متاع گراں تھے۔ وہ بنگال کی ہی نہیں بلکہ پورے ہند کی اسلامی قوتوں کا ایک قیمتی اثاثہ تھے۔ جب ۱۹۳۱ء میں شمالی بنگال میں طوفان نے تباہی پھیلائی تو ان کی تعمیر نو کے کام میں سہروردی سب سے آگے تھے۔ چنانچہ جب ۱۹۳۱ء میں سراج گنج میں مولانا عبدالحمید خان بھاشانی نے کسان کانفرنس منعقد کی تو اسکا افتتاح سہروردی نے کیا۔ اسی سال بمبئی میں آل انڈیا مسلم والنٹیئرز کانفرنس کلکتہ میں منعقد ہوئی تو اسکی استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین سہروردی تھے[۳٦]۔ ۱۹۳۳ء میں لینلتھگو کمیشن کے روبرو سہروردی نے مسلم کانفرنس کی نمائندگی کی جوکہ ہندوستان میں آئینی اصلاحات کی نئی قسط کے لئے معرض وجود میں آیا تھا۔

۱۹۳۵-۱۹۳٦ء کے دوران شہید سہروردی نے ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی تبلیغ و سیرت میں اپنی تنظیمی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ ۱۹۳٦ء میں ہی انھوں نے متحدہ مسلم پارٹی قائم کی[۳۷] جسکے صدر خواجہ ناظم الدین اور سیکرٹری وہ خود بنے۔ یہ اس وقت بنگال کی سب سے بڑی اور متحرک پارٹی تھی۔ اس میں سوائے مولوی اے کے فضل الحق اور چند نیشنلسٹ مسلمانوں[۳۸] کے بنگال کی تمام قابل ذکر مسلم سیاسی شخصیات اکٹھی ہوگئی تھیں۔ ان تمام سیاسی قوتوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کا

سہرا سہروردی کے سر ہے کیونکہ وہی اس پارٹی کی قوت محرکہ تھے[۳۹]۔ ۱۹۳۵ء کے انڈین ایکٹ کے تحت مرکزی و صوبائی انتخابات میں اسکو بھاری کامیابی کی توقع تھی[۴۰]۔ سہروردی نے پورے صوبے میں اسکی شاخیں قائم کیں اور انتخابات کے لئے امیدواروں کا فیصلہ بھی کرلیا[۴۱]۔

بحیثیت سیکرٹری جنرل صوبائی مسلم لیگ

انڈین ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت ہونے والے مرکزی و صوبائی انتخابات ہندوستان میں ابتک ہونیوالے تمام انتخابات میں غیر معمولی اہمیت کے حامل تھے۔ ان انتخابات میں صوبوں میں جو جماعتیں یا گروہ اکثریت حاصل کرتے وہ نہ صرف صوبوں میں حق حکمرانی حاصل کرتے بلکہ انکا ایک اہم پہلو یہ بھی تھا کہ صوبائی قانون ساز اسمبلیاں مرکزی اسمبلی کے لئے ممبران بھی منتخب کرتیں۔ اسطرح جو گروہ یا جماعتیں مختلف صوبوں میں اکثریت حاصل کرتیں، لامحالہ انھی کو مرکزی اسمبلی میں بھی اکثریت حاصل ہوتی۔ قائداعظم نے اسی اہمیت کے پیش نظر مسلم لیگ کی مجلس عاملہ سے مشورہ کرکے مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ قائم کیا اور ۱۹۳۶ء میں بنگال کا دورہ کیا۔ خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کرکے ان کو مسلم لیگ میں شمولیت کی دعوت دی اور ساتھ ہی ایک وفد[۴۲] سہروردی کے پاس بھیجا تاکہ ان کو بھی مسلم لیگ میں شمولیت کے لئے تیار کیا جا سکے کیونکہ قائداعظم سے یہ بات مخفی نہیں تھی کہ صوبے میں مسلم لیگ کی تنظیم نو کے لئے اور مستقبل قریب میں ہونیوالے انتخاب کے لئے حکمت عملی وضع کرنے کے لئے صوبے بھر میں سہروردی سے زیادہ کوئی شخصیت موزوں موجود نہیں ہے۔ سہروردی نے قائداعظم کی اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے نہ صرف مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی بلکہ غیر مشروط طور پر یہ اعلان بھی کردیا کہ وہ از خود اپنی تنظیم ختم کر دینگے۔ اس کے ارکان مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرینگے اور بنگال مسلم لیگ انتخابات میں آزادانہ طور پر اپنی جماعت کے

ٹکٹ پر امیدوار کھڑے کرے گی[۴۳]- سہروردی کے اس فیصلے نے تاریخ ساز اثرات مرتب کئے- بنگال کی حد تک اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ بنگال کی دوسری دونوں بڑی جماعتیں کرشک پراجا پارٹی اور مسلم مجلس نے بھی اپنی اپنی تنظیموں کو مسلم لیگ میں ضم کردیا- اسطرح باہم متصادم مسلم قوتیں ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی ہو گیئں- یہ ایک نیک فال تھی کہ ہندوستان میں مسلم آبادی کا سب سے بڑا صوبہ اب مسلم لیگ کا بازو بن رہا تھا- یہ فیصلہ کل ھند سیاست پر بھی اس طرح اثر انداز ہوا کہ مسلم لیگ کی نمائندہ حیثیت میں اضافہ ہوا اور قائداعظم کے ہاتھ مضبوط ہوئے- سہروردی صوبائی لیگ کے سیکرٹری بنے-

کرشک پراجا پارٹی اور قائداعظم کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اسکی ایک شق یہ بھی تھی کہ مسٹر جناح ایک پارلیمانی بورڈ تشکیل دینگے جو مسلم لیگ کی طرف سے آئندہ انتخابات کے ضمن میں ضروری اقدامات کریگا- لہذا قائداعظم نے ایک پارلیمانی بورڈ تشکیل دیدیا- اس کے ممبران[۴۴] پر بھی اتفاق رائے ہوگیا- اس بورڈ کے سیکرٹری بھی سہروردی مقرر ہوئے لیکن بنگال کے مسلم عوام اس اتحاد سے تادیر مستفید نہ ہوسکے- کیونکہ فضل الحق اور مسلم لیگ کے اکابرین کے درمیان انتخابی منشور وجہ تنازعہ[۴۵] بن گیا- اسطرح یہ اتحاد ختم ہوگیا اور دونوں جماعتوں نے اپنی اپنی پارٹی کے ٹکٹ پر انتخاب میں حصہ لینے کا فیصلہ کرلیا-

سہروردی اس انتخاب سے قبل سیاسی تربیت کے جس کٹھن اور مرحلہ وار نظام سے گزرے تھے اسنے انکی صلاحیتوں کو بے پایاں جلا بخشی تھی اور وہ ایک عمدہ منتظم، بلند پایہ مقرر، کہنہ مشق عوامی رھنما اور عام افراد کے دکھ سکھ میں شریک ہونیوالی شخصیت کے طور پر ابھرے تھے- وہ عوامی اذھان کو سمجھتے تھے- اس انتخاب میں انکی دلچسپی کا عالم یہ تھا کہ عوام سے براہ راست مخاطب ہونے کے لئے انھوں نے بنگالی سیکھی- صوبے کے دور دراز علاقوں کا سفر کیا، اور ہر جگہ مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا- یہ انکی

انتھک محنت کا نتیجہ تھا کہ مسلم لیگ نے ۳۸[۴۶] نشستیں حاصل کرلیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ھے کہ لیگ کے تقریباً تمام امیدوار سہروردی کی قائم کردہ سابقہ پارٹی سے ہی لئے گئے تھے۔ سہروردی کی اس پارٹی کے، لیگ کی صفوں میں مدغم ھونے سے لیگ کو کلکتہ کے مسلم تجارتی حلقوں اور مشرقی بنگال کی نواب اور زمیندار قوتوں کی مالی معاونت بھی ملی اور تنظیمی صلاحیتوں سے استفادہ بھی کیا[۴۷]۔ سہروردی الیکشن کی مہم میں بے انتہا مصروف ھونے کی وجہ سے اپنے حلقوں میں خاطر خواہ وقت نہ دے سکے لیکن اس کے باوجود وہ کلکتہ کے دونوں حلقوں سے کامیاب ھوگئے[۴۸]۔

سہروردی بحیثیت مسلم لیگی وزیر (۱۹۳۷-۴۱ء)

صوبائی اسمبلی میں سب سے بڑی جماعت کانگریس تھی۔ گورنر نے اسکو وزارت سازی کی دعوت دی لیکن انکا کرشک پراجا پارٹی سے معاہدہ نہ ھوسکا۔ دوسری[۴۹] بڑی جماعت مسلم لیگ تھی۔ گورنر نے یہی دعوت مسلم لیگ کو دی۔ مسلم لیگ نے کرشک پارٹی کے ساتھ ملکر ایک مخلوط وزارت تشکیل دی جسمیں سہروردی کو کامرس اور محنت[۵۰] کی وزارت تفویض کی گئی۔ یہ وزارتیں ان کے فطری میلان کے مطابق تھیں۔ آپ نے لیبر یونینیں تخلیق کروائی تھیں۔ پسماندہ طبقات کے مفادات کے تحفظ کے لئے آپ نے اسوقت بھی بڑی جدوجہد کی تھی جب وہ اس عہدہ جلیلہ پر فائز نہیں تھے لیکن اب وہ ایک مقتدر حیثیت کے حامل تھے۔ تاریخی دستاویزات اس امر کی شاھد ہیں کہ انھوں نے مزدوروں، کسانوں، ملاحوں اور دیگر نادار اور بے کس افراد کے لئے اپنے اختیارات کا بھرپور استعمال کیا۔ اپنی وزارت کے دوران انھوں نے بنگال اسمبلی میں مزدوروں کی فلاح کا قانون (Labour Welfare Act) اور زچہ و بچہ کے فائدے کا قانون (Maternity Benefit Act) منظور کروایا۔ قابل ذکر بات یہ ھے کہ بعد میں ان قوانین کو پورے ھندوستان میں آئینی تحفظ دیا گیا[۵۱]۔ اسطرح کہا جا سکتا ھے کہ پس ماندہ اور حاجت مند انسانوں کی مدد

کرنے میں سہروردی نے پورے ہندوستان کی قیادت کی- اسی دور میں انہوں نے لگان داری کے قانون میں ترمیم کا بل (Tenancy Amendment Act) تیار کیا اور گورنر کو ایک یادداشت ۹ مئی ۱۹۳۸ء کو بھیجی کہ اسکو جلد از جلد قانون[۵۲] کا درجہ دیا جائے- اس قسم کی سرگرمیوں سے سہروردی کو کسانوں سے رابطے کا مزید موقع ملا اور انہوں نے انکی حالت کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کی- اس زمانے میں مہاجنوں کی لوٹ کھسوٹ سے غریب و نادار کسانوں کو محفوظ کرنے کے لئے (Money Lenders Act) اور قرض خواہوں کی داد رسی کے لئے (Debt Settlement Board) تشکیل دئیے گئے- غرضیکہ سہروردی نے فضل الحق اور خواجہ ناظم الدین کے تعاون سے "ایسی حکومتی پالیسیاں تشکیل دیں جنکی مدد سے نادار اور مفلوک الحال آبادی خصوصاً مسلم کسانوں، مہاجنوں کے قرضے تلے دبے ہوئے مسلم[۵۳] کاشتکاروں، فیکٹری مزدوروں اور بندرگاہوں پر کام کرنے والے ملاحوں اور دیگر نچلے درجے پر کام کرنے والے کارکنوں نے سکھ اور چین کا سانس لیا-

بنگال کے مسلمانوں کا دوسرا بڑا مسئلہ تعلیمی پسماندگی تھا جس وجہ سے شہری اور دیہاتی آبادی معاشی پسماندگی کا شکار تھی- تعلیم کے فقدان کی وجہ سے حکومتی ملازمتوں کے علاوہ فیکٹریوں اور دیگر اداروں کے دفاتر میں بھی روزگار کے مواقع ناپید تھے- مزید برآں دیہاتی مسلم کاشتکار جو اپنی تعلیمی پسماندگی کی وجہ سے کوئی بھی تحریر پڑھنے سے معذور تھا، مہاجنوں کے ظالمانہ رویہ کا شکار تھا- وہ اس سے ایسی شرائط پر دستخط کرالیتے تھے جو معاہدے کا حصہ نہیں ہوتی تھیں- قرضہ تین تین اور چار چار[۵۴] بار وصول کیا جاتا تھا-

اس مخلوط حکومت کے ذمہ داران نے ان مضر اثرات کو ختم کرنے کے لئے فروغ تعلیم پر خصوصی توجہ دی- مدرسوں کے لئے ایک معقول گرانٹ منظور کی گئی جس سے دیگر تعلیمی ادارے بھی مستفید ہوئے- کلکتہ کے مسلم اکثریتی علاقے میں ایک ڈگری کالج قائم ہوا نیز حکومت نے اس امر کا

بھی اعلان کیا کہ حکومتی ملازمتوں میں خالی جگہوں پر جو تقرریاں کی جائیں گی، اسکا ۵۰ فی صد مسلمانوں کے لئے مختص ہوگا[۵۵]- اگرچہ یہ سب مخلوط حکومت کی کارکردگی تھی لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ان تمام فلاحی کاموں کے پس پردہ سہروردی کی استعداد کار مصروف عمل تھی- کیونکہ فضل الحق تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لیگ کے مقاصد اور پالیسیوں کی تکمیل کرتے ہوئے نظر آتے تھے[۵۶]-

۱۹۴۱ء تک یہ وزارت پسماندہ طبقات، جنکی بہت بڑی اکثریت مسلمان تھی، کے حقوق کے تحفظ کے لئے کوشاں رہی[۵۷] تاآنکہ مسلم لیگ اور فضل الحق میں اختلافات پیدا ہوگئے- اسکی وجہ یہ تھی کہ حکومت برطانیہ نے ایک ڈیفنس کونسل قائم کی جسمیں پنجاب، آسام اور بنگال کے وزرائے اعظم کو شامل کیا گیا- مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے اس ضمن میں ایک پالیسی کا اعلان کیا[۵۸] اور تینوں وزرائے اعظم کو مستعفی ہونے کی ہدایت کی- اول الذکر دونوں وزرائے اعظم نے اسپر عمل کیا لیکن فضل الحق نے ڈیفنس کونسل کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ سے بھی استعفی دے دیا اور مسلم لیگ اور قائداعظم پر بھی تنقید کی- فضل الحق کی کابینہ کے دونوں لیگی وزیروں خواجہ ناظم الدین اور حسین شہید سہروردی نے اس طرز عمل پر احتجاج کیا- نومبر ۱۹۴۱ء میں جب قانون ساز اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا تو دونوں مذکورہ وزیروں نے استعفے دے دیئے کیونکہ فضل الحق کانگریس کے ساتھ ایک نئی مخلوط حکومت قائم کرنے کے لئے صلاح مشورہ کر رہے تھے[۵۹]-

صوبائی مسلم لیگ کی تنظیم نو

حسین شہید سہروردی کی تنظیمی صلاحیتیں اب مسلم لیگ کی تنظیم نو کرنے اور اسکو فعال و متحرک بنانے کے لئے وقف ہو چکی تھیں- یہ انکی تنظیمی صلاحیتوں کا ہی نتیجہ تھا کہ بنگال مسلم اکثریتی صوبوں میں وہ واحد[۶۰] صوبہ تھا جس میں مسلم لیگ نے نہ صرف کم و بیش ایک تہائی

مسلم نشستیں حاصل کیں بلکہ اس قابل بھی ہوئی کہ وہ مخلوط وزارت بنا سکے- اس کامیابی میں سہروردی کی تنظیمی صلاحیتوں کا بڑا دخل تھا- وزارت کی تشکیل کے بعد صوبائی لیگ کے صدر مولوی فضل الحق ہوگئے لیکن سیکرٹری سہروردی ہی رہے- جماعت کی تنظیم نو کا کام سہروردی کو سونپا گیا- انہوں نے بے مثال تنظیمی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا- پورا مسلم بنگال مسلم لیگ کا ہمنوا بن گیا اور مسلم لیگ ایک عوامی تنظیم بن گئی- اس دوران دو ضمنی انتخابات ہوئے- سہروردی نے مسلم لیگ کی انتخابی مہم چلائی اور فضل الحق نے اپنی پارٹی کی- نتیجہ یہ آیا کہ فضل الحق کی پارٹی کے امیدواروں کی ضمانتیں ضبط ہوگئیں[۶۱]- یہ سہروردی کی شاندار تنظیمی صلاحیتوں اور لاجواب انتخابی حکمت عملی کا ہی ثمر تھا کہ مسلم بنگال اپنے طرز عمل سے واضح کررہا تھا کہ اسکو نہ تو ہندی قومیت کے نام پر بہلایا جاسکتا ہے اور نہ حکومتی اثر و رسوخ سے ورغلایا جاسکتا ہے- یہ کہ اسکی منزل مراد صرف مسلم لیگ ہے اور وہ سیاسی غفلت سے بیدار ہو کر اپنے نفع و نقصان کے بارے میں بہتر فیصلہ کرسکتا ہے- تاریخ بنگال اس امر کی شاہد ہے کہ مسلم بنگال کو سوچ کا یہ انداز دینے میں سہروردی کا کردار سب سے مؤثر ہے- اس لئے بعض حلقے انکو فاتح بنگال بھی قرار دیتے ہیں[۶۲]-

سہروردی بحیثیت وزیر خوراک وسول سپلائیز (۴۵-۱۹۴۳ء)

سہروردی نے مسلم لیگ کے لئے اس لگن سے کام کیا کہ بنگال میں سہروردی اور لیگ لازم و ملزوم ہوگئے- چنانچہ جب لیگ وزارت سے علیحدہ ہوئی تو سارا مسلم بنگال سراپا احتجاج بن گیا- سہروردی اور خواجہ ناظم الدین کے طوفانی دوروں اور خصوصاً سہروردی کی شعلہ بیانیوں نے بلاشبہ فضل الحق پر عرصہ حیات تنگ کردیا- بنگال میں ہر جگہ فضل الحق کا استقبال کالی جھنڈیوں سے کیا گیا- جلسہ عام تو کجا انکا آزادانہ سفر کرنا محال ہوگیا- وہی مسلم بنگالی طلبا جو فضل الحق کو اپنا رہبر گردانتے تھے،

ان کے سب سے بڑے مخالف ہوگئے- پورا مسلم بنگال فضل الحق مردہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا- سہروردی نے مشرقی و شمالی بنگال کے طوفانی دورے کئے اور کہا کہ فضل الحق نے بنگال کے مسلمانوں کو انکے سب سے بڑے دشمن مہاسبھا کے ہاتھوں فروخت کردیا ہے اور محض اپنی وزارت بچانے کے لئے مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم مسلم لیگ سے غداری کی ہے- وہ غدار اسلام ہے[۶۳]- سہروردی نے فضل الحق کی مخالفت کے ساتھ ساتھ پاکستان اور اسکی افادیت پر بھی بڑی مدلل تقریریں کیں- ایک وفد تشکیل دیا جسکا نام ہی پاکستان رکھا- اسنے جنوری ۱۹۴۲ء میں بار بھینگا کا دورہ کیا- چٹاگانگ میں بھی اسی ماہ کی ۲۰ تاریخ کو ایک پاکستان کانفرنس منعقد کروائی جس میں ۱۵۰۰۰ افراد نے شرکت کی- سہروردی نے ایک اور مؤثر قدم یہ اٹھایا کہ ان کے مشورے پر فضل الحق کے آبائی ڈسٹرکٹ باریسال میں مسلم لیگ کی رکنیت سازی کے لئے سب سے زیادہ توجہ مرکوز کردی گئی- سہروردی کے ان تابڑ توڑ حملوں سے مولوی فضل الحق جیسا کہنہ مشق سیاستدان بھی اعصاب شکنی کا شکار ہوگیا[۶۴]- یہ سہروردی کا ایک بڑا کارنامہ تھا اور ان کے لئے سیاست کا ایک نیا میدان بھی- انھوں نے مسلم بنگال کے سب سے پرانے سیاستدان کے خلاف ایک کامیاب جنگ لڑی تھی اور ایک ایسی مخلوط وزارت کے خلاف تحریک چلائی جسکو نہ صرف انڈین نیشنل کانگریس کی امداد و اعانت حاصل تھی بلکہ کلکتہ کے غیر مسلم تاجروں اور مہاجنوں کا سرمایہ اور کلکتہ کے مؤثر پریس کی تائید و حمایت بھی حاصل تھی- بہرحال سہروردی اور دوسرے لیگی رہنماؤں و دیگر عوامل[۶۵] کی بنا پر فضل الحق کی حکومت ۲۸ مارچ ۱۹۴۳ء کو مستعفی ہوگئی اور ۲۴ اپریل ۱۹۴۳ء کو خواجہ ناظم الدین نے مسلم لیگ کی وزارت تشکیل دی جس میں سہروردی کو خوراک و سول سپلائیز کی وزارت دی گئی- یہ سہروردی کی صلاحیتوں کا ایک بڑا امتحان تھا کیونکہ بنگال اسوقت دو بہت بڑے خطرات سے دوچار تھا-

۱- جاپانیوں کی کامیاب پیش قدمی نے بنگال کے لئے ایک سنگین خطرہ پیدا کردیا تھا-

۲- بنگال خوفناک قحط کی لپیٹ میں آگیا تھا اور لاکھوں انسان بھوکوں مر رہے تھے-

ان دونوں مسائل سے متعلق وزارتیں سہروردی کو ہی دی گئی تھیں- ایک طرف تو یہ ان کی صلاحیتوں کا اعتراف تھا جبکہ دوسری طرف یہ ان پر کٹھن ذمہ داریوں کا ایک بوجھ بھی تھا- اسی اهمیت کے پیش نظر دونوں وزارتیں گورنر کی براہ راست نگرانی میں تھیں- بنگال کے قحط کی ذمہ داری کے متعلق مورخین مخلتف[۶۶] رائے رکھتے هیں- بهرحال حقیقت یہ تھی کہ یہ بنگالی عوام اور بنگالی حکومت دونوں کے لئے ایک کڑی آزمائش تھی- حالات حوصلہ شکن تھے لیکن سہروردی جو بلا شبہ مرد بحران تھے، انھوں نے اس آزمائش سے نکلنے کا فیصلہ اس لئے بھی کیا کہ یہ انسانیت کا تقاضا تھا اور اس لئے بھی کہ هندو مهاجنوں، کانگریسی سیاستدانوں اور فضل الحق اور ان کے ساتھیوں کی خواهش یہ تھی کہ صوبہ بنگال کی لیگی وزارت کو[۶۷] ناکام بنایا جائے- چنانچہ سہروردی نئے عزم و حوصلے کے ساتھ میدان عمل میں اترے- انھوں نے وزارت کا حلف اٹھاتے هی ریڈیو سے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

> قحط سے دو کروڑ انسان متاثر ہوئے ہیں- چاولوں کی عدم فراهمی کی وجہ سے نصف اس میں سے موت کا شکار هوسکتے ہیں- لیکن میں آپ کو یقین دلاتا هوں کہ تمام ممکنہ ذرائع استعمال کرکے جانوں کے اتلاف کو روکا جائیگا[۶۸]-

اس کے بعد انھوں نے مرکزی حکومت سے رقم کا انتظام کرکے دو ماہرین کی مدد سے ایک جامع منصوبہ تشکیل دیا تاکہ اس بحران سے نبٹا جاسکے- مرکزی حکومت سے درخواست کی کہ جن صوبوں نے غذائی اجناس فراہم کرنی ہیں اسکو بروقت اور یقینی بنائے- اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان صوبوں میں غلے کی فراهمی کے لئے اپنے افسران بھی بھیجے- بعد ازاں انھوں نے بنگال

ریلیف فنڈ قائم کیا اور کلکتہ سے لیکر راس کماری تک کے دردمند انسانوں سے مالی امداد کی اپیل کی[۶۹]- انھوں نے اجتماعی باورچی خانے اور طعام گھر قائم کئے جہاں ہزارہا افراد کو بیک وقت کھانا کھلایا جاتا تھا- بڑی بڑی کشتیوں میں گشتی طعام خانے قائم کئے گئے تھے جنکے ذریعے صوبے کے کونے کونے میں لیگی کارکنان کھانا لیکر پہنچتے اور عوام[۷۰] کو کھلاتے- اس ضمن میں انھوں نے طلبا اور مزدوروں سے خوب کام لیا- بلاشبہ یہ سہروردی کی ہی مساعی جمیلہ[۷۱] تھی کہ لاکھوں انسان ہلاک ہونے سے بچ گئے- ۱۵ ستمبر ۱۹۴۳ء کو انھوں نے صوبائی قانون ساز اسمبلی میں جو غذائی صورتحال کا تجزیہ کیا وہ ان کی مہارت اور کام سے لگن کا ایک اعلی ثبوت ہے- وہ تقریباً ۴۵ منٹ تک بولتے رہے اور نہایت اعتماد اور تیاری کے ساتھ حزب مخالف کے سوالوں کے تعمیری اور مثبت جواب دئیے[۷۲]-

سہروردی بحیثیت وزیر اعلی(۱۹۴۶-۴۷ء)

۱۹۴۵-۱۹۴۶ء کے انتخابات کا مرحلہ آن پہنچا- گزشتہ کئی سالوں سے مسلم لیگ یہ دعوے کرتی آرہی تھی کہ:

۱- پاکستان برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ کا متفقہ مطالبہ ہے.

۲- مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ تنظیم ہے-

ان انتخابات میں مسلم لیگ کو ان دعوؤں کا ثبوت مہیا کرنا تھا- سب سے زیادہ کٹھن مرحلہ بنگال میں درپیش تھا- اس صوبے میں نہ صرف یہ کہ مسلمان اکثریت میں تھے بلکہ لیگی حکومت کے دور میں بدترین قحط بھی پڑ چکا تھا- اسمبلی کے غیر لیگی ممبران اور کانگریسی اخبارات تواتر کے ساتھ اسکی ذمہ داری لیگی حکومت پر ڈال رہے تھے- اس دور کے وزیر اعلی خواجہ ناظم الدین خرابئ صحت کی بنا پر سوئٹزر لینڈ میں تھے- اگر بنگال مسلم لیگ میدان عمل میں نہ اترتی تو مطالبہ پاکستان خودبخود ختم ہوجاتا کہ سب سے بڑی مسلم آبادی کا صوبہ اس کے حق میں نہیں ہے - حالات کا یہی تقاضا تھا

جسکی بنا پر سہروردی ایک بار پھر اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ میدان سیاست میں اترے- صوبائی لیگ کے سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے انتخابی حکمت عملی وضع کرنا تنہا ان کی ذمہ داری قرار پائی- غالباً بنگال ہی وہ واحد صوبہ تھا جہاں قائداعظم اور لیاقت علی خان نے کسی بھی انتخابی جلسے سے خطاب نہیں کیا[۷۳]- سہروردی اس وسیع و عریض صوبے کے ہر مسلم انتخابی حلقے میں گئے اور ہر جگہ ایک ہی بات کہی کہ

> یہ قحط ہندو مارواڑی تاجروں کی ظالمانہ لوٹ کھسوٹ کا نتیجہ تھا- اگر اس ہولناک صورتحال سے آئندہ نسلوں کو محفوظ کرنا ہے تو ہمیں اس سے نجات حاصل کرنا ہوگا- اور اس کا واحد حل حصول پاکستان میں مضمر ہے- آپ لوگ مسلم لیگ کا احتساب کریں- ہم اپنی گردنیں کٹانے کے لئے تیار ہیں- لیکن اس وقت مسلم لیگ کو ووٹ دیں[۷٤]-

سہروردی نے رکنیت سازی کرکے مخلص اور انتھک کارکنوں کی ٹیم تیار کی- مشرقی حصے کی انتخابی مہم کی نگرانی کے لئے ڈھاکہ میں ایک صوبائی دفتر قائم کیا- صوبائی پارلیمانی بورڈ کی موجودگی کے باوجود ڈسٹرکٹ میں علیحدہ پارلیمانی بورڈ قائم کیا تاکہ تضیع اوقات اور غیر ضروری تلخیوں سے بچا جا سکے- انھوں نے ایسی حکمت عملی وضع کی کہ مسلمانوں کے درمیان افتراق و انتشار کی ہر کوشش ناکام بنا دی گئی- پوری بنگالی قوم سہرودری کی کوشش مسلسل کے نتیجے میں مسلمانان ہند کے مقاصد کی تکمیل کے لئے مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہوگئی- نتیجتاً بنگال سے مرکزی اسمبلی کے چھ کے چھ امیدوار بلا مقابلہ منتخب ہوگئے[۷۵]- سہروردی کے بیان کردہ اعداد و شمار کے مطابق:

> لیگ نے ۱۹۹ صوبائی نشستوں میں سے ۱۱۳ جیت لیں- گویا ۹۵ فیصد نشستیں لیگ نے حاصل کیں- اتنی شاندار کامیابی لیگ نے کسی بھی مسلم اکثریتی صوبے میں حاصل نہیں کی تھی- مسلم لیگ نے اپنے مخالف ۱۷۱ امیدواروں کی ضمانتیں ضبط کروائیں- ۱۱۹۷ امیدواروں کو شکست دی- دوسری طرف مسلم لیگ کے کسی بھی امیدوار کی ضمانت ضبط نہیں ہوئی

اور وہ تھوڑے سے فرق سے ہارے[۷۶]-

مذکورہ بالا مثبت سیاسی نتائج اور سہروردی کی سیاسی جدوجہد کو دیکھتے ہوئے تلکدار یہ لکھنے میں حق بجانب نظر آتا ہے کہ یہ جناح ہی تھے جنکی وجہ سے پاکستان معرض وجود میں آیا لیکن یہ بات بھی غیر متنازعہ ہے کہ یہ سہروردی ہی تھے جنھوں نے قائداعظم کو وہ ہتھیار فراہم کیا جسکی مدد سے انھوں نے پاکستان کی جنگ جیتی[۷۷]- قائداعظم نے بھی سہروردی کو مبارکباد کا پیغام بھیجا- انہی خدمات کے پیش نظر سہروردی متحدہ بنگال کے آخری وزیر اعلی بنے-

دہلی کنونشن

دہلی کنونشن (۷-۹ اپریل ۱۹٤٦ء) برصغیر کی ملت اسلامیہ کا ایک عظیم الشان اور فقید المثال اجتماع تھا- جس میں مرکزی اور تمام صوبائی اسمبلیوں کے لیگی ممبران کے علاوہ مرکزی لیگ کی مجلس عامہ اور کونسل کے اراکین نے بھی شرکت کی جنکی تعداد ٤۸۳ تھی- اس کنونشن کو قائداعظم نے برصغیر کی مسلم تاریخ کا سب سے بڑا اور بے مثال اجتماع قرار دیا تھا- اسی جلسے میں سہروردی نے وہ تاریخ ساز قرارداد پیش کی جس میں دو ریاستوں کی بجائے ایک آزاد و خودمختار ریاست کا مطالبہ کیا گیا تھا- اس کنونشن میں سہروردی نے ایک معرکۃ الآرا تقریر بھی کی تھی- تقریر میں قائداعظم اور نظریہ پاکستان پر غیر متزلزل وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے حصول پاکستان کے لئے ہر قسم کی قربانی کا عہد کیا گیا تھا- قائداعظم نے اس تقریر کی بہت تعریف کی تھی اور عالمی پریس بھی اس سے متاثر ہوا تھا[۷۸]-

بنگال کے وزیر اعلی کی حیثیت سے سہروردی نے کئی اہم اقدامات کئے- انھوں نے بنگال ریلوے اور بنگال پولیس میں مسلمانوں کو بڑی تعداد میں ملازمتیں دیں- اسکا فائدہ نہ صرف مسلمانوں کو فراہمیٔ روزگار کی شکل

میں ہوا بلکہ یہ بھی ہوا کہ ۱۹۴۷ء میں بنگال میں مسلم کش فسادات شدت اختیار نہ کرسکے- نواکھلی اور بہار میں مسلم کش فسادات نے جب شدت اختیار کی تو وزیر اعلی بنگال نے کہا کہ "اگر مسلمانوں کا قتل عام بند نہ ہوا تو میرے لئے بنگال کے مسلمانوں کا اپنا فطری ردعمل روکنے میں دشواری ہوگی"[۷۹]- وزیر اعلی کے اس اعلان کو مشہور ہندو فرقہ پرست لیڈر شیاما پرشاد مکر جی نے واضح طور پر دھمکی قرار دیا- بہرحال وزیراعلی کے حکم پر کلکتہ اور دیگر شہروں میں فسادات کے متاثرین کے لئے امدادی کیمپ کھولے گئے اور بڑی فراخدلی سے ان کے لئے سہولیات فراہم کی گئیں- شیاما پرشاد نے اسپر اسمبلی میں باقاعدہ اعتراض اٹھایا اور کہا کہ بنگال کے عوام کا ٹیکس بہاری مسلمانوں پر کیوں ضائع کیا جارہا ھے- سہروردی نے واضح الفاظ میں جواباً کہا کہ "اگر مجھے مسلمانوں کی امداد کے لئے رائٹر چیمبرز (اسمبلی بلڈنگ) بھی فروخت کرنی پڑے تو میں اس سے گریز نہیں کروں گا"[۸۰]- سہروردی کا مسلمانوں اور مسلم لیگ کی واضح الفاظ میں تائید و حمایت کا یہی جذبہ "یوم راست اقدام" کے موقع پر نظر آیا[۸۱]- ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو کلکتہ کے تاریخی برگیڈیئر پریڈ میدان میں ۱۵ لاکھ افراد سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ:

> اگر مسلم لیگ کو نظر انداز کرنے کی پالیسی اختیار کی گئی تو بنگال مرکزی حکومت سے قطع تعلق کرکے آزادی کا اعلان کردیگا[۸۲]-

وزیر اعلی بنگال کی یہ دھمکی بڑی کارگر ثابت ہوئی کیونکہ اس وقت بنگال کی حکومت اس قدر مؤثر تھی کہ وہ اپنے اس اعلان کو عملی جامہ پہنا سکتی تھی-

اسی زمانے میں سہروردی نے متحدہ بنگال کا منصوبہ پیش کیا- خواجہ ناظم الدین نے اس منصوبے پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ

> یہ سہروردی کا فارمولہ تھا- اسکا خیال تھا کہ تقسیم شدہ مشرقی بنگال اقتصادی طور پر پسماندہ رہ جائیگا کیونکہ اس میں کلکتہ شامل نہیں ہوگا- آسام بھی نہیں ہوگا- دوسرا اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ اگر ہندوؤں

سے مسابقت کا سلسلہ ختم ہوگیا تو پھر مسلمان آپس میں لڑنے لگیں گے اور ایک دوسرے سے لڑ لڑ کر ختم ہوجائینگے- اس کا منصوبہ یہ تھا کہ متحدہ بنگال جلد ہی ایک مسلم اکثریت والا ملک بن جائیگا جس میں آسام بھی شامل ہوگا اور یہ مضبوط ملک نہ صرف یہ کہ پاکستان کے لئے بلکہ ہمسایہ ملک ہندوستان کے مسلمانوں کے تحفظ کی ضمانت ہوگا- اسی طرح وہ ہمسایہ ملک برما کے مسلم معاملات پر پوری قوت کے ساتھ اثر انداز ہوگا[۸۳]-

یہ منصوبہ اس قدر حقیقت پر مبنی اور جامع تھا کہ قائداعظم، بنگالی ہندو رہنماؤں مثلاً سباس چندر بوس کے بڑے بھائی سرت چندر بوس اور وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اسکو قبول کرلیا- وائسرائے نے اسکی منظوری حاصل کرنے کے لئے وزیراعظم برطانیہ مسٹر ایٹلی کے پاس روانہ بھی کردیا- بعد ازاں شیاما پرشاد مکر جی اور پنڈت جواہر لال نہرو کی زبردست مخالفت کی وجہ سے ماؤنٹ بیٹن نے یہ منصوبہ واپس لے لیا-

قیام پاکستان کے بعد ہندو مہاسبھا کی طرف سے متوقع مسلم کش فسادات کی بیخ کنی کے لئے سہروردی نے مغربی بنگال میں ہی رک جانے کا فیصلہ کیا اور وائسرائے کی تمام تر مخالفت کے باوجود گاندھی جی کو کلکتہ لے آئے- سہروردی کے اس طرز عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے وائسرائے لکھتا ھے کہ میری خواہش تھی کہ میں گاندھی سے درخواست کروں کہ وہ پنجاب جائیں لیکن سہروردی انکو کلکتہ لے گئے- میں نے پنجاب میں متوقع فسادات کو روکنے کے لئے فوج بھیج دی- لیکن میری فوج وہ کام نہ دکھا سکی جو اکیلے گاندھی نے کردیا[۸۳]- گاندھی کی وساطت سے یہ کارنامہ سرانجام دینے کا سہرا سہروردی کے سر ھے جنھوں نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے گاندھی جی کے ھمراہ پورے صوبے کا دورہ کیا اور اس طرح مسلمانوں کے جان و مال کو ایک مرتبہ پھر تحفظ مل گیا- چنانچہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ھے کہ اگر سہروردی اس دور میں مغربی بنگال میں نہ ھوتے تو بنگال ، آسام اور بہار میں بھی مسلمانوں کا وجود اسی طرح ختم ھوجاتا جس طرح مشرقی پنجاب میں ہوا[۸٤]-

حسین شہید سہروردی بنگال کی تاریخ کے پرآشوب دور کی وہ غیر

معمولی شخصیت ہیں جن کے دانشمندانہ فیصلوں نے تاریخ کے دھاروں کو تبدیل کیا- جن کے وجود سے اسلامی قوتوں کو استحکام نصیب ہوا اور جنگی حکمت عملی کی بنا پر مسلم بنگال نے اپنے شایان شان کردار ادا کرکے تصور پاکستان کو حقیقت کا روپ دیا- بہرحال ہم اس تجزیہ پر پہنچتے ہیں کہ حسین شہید سہروردی کی انتھک مساعی جمیلہ کی وجہ سے ان کا نام نہ صرف تاریخ بنگال میں بلکہ تاریخ جدوجہد حصول پاکستان میں جگمگاتا رہیگا-

حوالہ جات

١ - بدر منیر، "تحریک پاکستان کے گمشدہ اوراق ، شیر بنگال"، قسط ۲- انٹرویو مولوی اے کے فضل الحق، نوائے وقت میگزین ، ۲۰ نومبر ۱۹۹۲ء، ص، ٦-

۲- بیگم شائستہ سہروردی اکرام اللہ-
Husain Shaheed Suhrawardy: A Biography, Oxford, 1991, p.4.

۳- محمد ایچ آر تلکدار
Memoirs of Huseyn Shaheed Suhrawardy, Dhaka, 1987, p.1.

٤- اس سلسلہ کے بانیوں نے دنیا کے دور دراز خطوں میں تبلیغ اسلام کے لئے اپنے بیٹوں اور اپنے مریدوں کو ایران ، توران، ترکستان، سندھ، ہندوستان اور بنگال بھیجا- ان میں ایک شیخ بہاء الدین زکریا تھے جو ملتان آئے- اسی وجہ سے ان کے نام کے ساتھ ملتانی کا اضافہ ہوا- جو ان کی سب سے بڑی شناخت بن گیا- شیخ بہاء الدین، مولانا رکن الدین سہروردی، شیخ زکریا ملتانی کے پوتے تھے جنھوں نے دلی کو رشد و ہدایت کے لئے اپنا مستقر بنایا- حضرت شاہ جلال اسی عظیم خانوادے کے ایک ممتاز فرد تھے جو کہ اپنے ۳٦۰ معتقدین و مریدین کے ساتھ سلہٹ آئے اور اپنے ساتھیوں کو غور، پاندو، رنگ پور، دیناج پور، سلہٹ اور اردگرد کے علاقوں میں تبلیغ اسلام کے لئے روانہ کیا- یہ اسی خاندان کی کوششوں کا اثر ہے کہ مشرقی بنگال اسلام کا گھوارہ بنا اور آنےوالے دور کی ہندو مسلم کشمکش میں ایک تاریخ ساز کردار ادا کرکے برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ کے حقوق کا محافظ بنکر ابھرا- شاہ امین الدین سہروردی اسی خاندان کے فرد تھے - تلکدار، حوالہ سابقہ، ص ۷-

٥- عبداللہ العبیدی، شاہ امین الدین سہروردی کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے- تعلیم

مکمل کرنے کے بعد عبداللہ نے وائسریگل لیجسلیٹو کونسل دھلی میں ہیڈ منشی کی حیثیت سے عملی زندگی کا آغاز کیا- اس کے بعد بہت جلد آپ شعبہ درس و تدریس سے وابستہ ہو گئے اور ھگلی کالج میں اینگلو عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے- ۱۸۷۴ء میں آپ ڈھاکہ مدرسہ عالیہ کے سپرنٹنڈنٹ بنے اور ۱۲ سال تک اسی منصب پر فائز رہے-

العبیدی کا نقطہ نگاہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا راز حصول تعلیم میں مضمر ھے- خیالات کی ہم آہنگی نے انکو سرسید کا قریبی دوست اور رفیق کار بنا دیا- وہ ہر ہفتہ علی گڑھ آتے- سرسید کے ساتھ بیٹھ کر گھنٹوں سوچ بچار کرتے- ان نشستوں میں العبیدی کے شاگرد خاص جسٹس سید امیر علی (۱۸۴۹ء-۱۹۲۸ء) بھی ان کے ھمراہ ہوتے- سید احمد خان کے رسالہ تہذیب الاخلاق میں العبیدی کے مضامین تواتر کے ساتھ شائع ہوتے تھے اور وہ محمڈن اینگلو اورئینٹل کالج علیگڑھ کے ابتدائی ڈائرکٹروں میں سے ایک تھے- فروغ تعلیم کے لئے آپ نے ۱۳ دسمبر ۱۸۷۹ء میں ڈھاکہ میں فرینڈز ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی- فروغ تعلیم اور تعلیمی درسگاھوں سے دلچسپی کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ھے کہ آپ کو مدرسہ عالیہ ڈھاکہ میں ہی سپرد خاک کیا گیا (تلکدار، ایضاً، ص ٤، بیگم شائستہ، حوالہ سابقہ)

٦- بیگم شائستہ، حوالہ سابقہ، ص ٦- قابل ذکر بات یہ ھے کہ تلکدار نے یہ تحریر کیا ھے کہ سہروردی کے دادا کا نام مبارک علی سہروردی تھا (تلکدار، حوالہ سابقہ، ص ٤) جبکہ محمد علی چراغ کی تحقیق یہ ھے کہ ان کے دادا کا نام سر عبدالرحیم تھا- محمد علی چراغ- اکابرین تحریک پاکستان- لاھور ۱۹۹۱ء، ص ۳۵۵- درحقیقت سر عبدالرحیم ان کی پہلی رفیقہ حیات کے والد کا نام تھا جو بذات خود ایک نامور سیاستدان اور اپنے وقت کی مشہور و معروف شخصیت تھے- (سر عبدالرحیم کے بارے میں مزید تفصیل کے لئے دیکھئیے حوالہ ۱٤) بہرحال بیگم شائستہ کی تحقیق درست معلوم ہوتی ھے- کیونکہ وہ سہروردی کی حقیقی ماموں زاد بہن ہیں-

۷- روزنامہ ڈان کراچی: فروری ۱۹٤۹ء، بحوالہ بیگم شائستہ، ایضاً، ص ۱-

۸- تلکدار، حوالہ سابقہ، ص ٤-

۹- بیگم شائستہ، حوالہ سابقہ، ص ۱-

۱۰- عبداللہ المامون سہروردی (۱۸۸۲ء-۱۹۳۵ء) ان شخصیات میں سے ایک تھے جنھوں نے اپنے قیام لندن کے دوران وھاں پان اسلامک سوسائٹی کی بنیاد رکھی- انھوں نے ارشادات محمد کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی- وطن واپسی پر ابتدا میں وہ اسلامیہ کالج لاھور کے پرنسپل بنے- بعد ازاں وہ کلکتہ یونیورسٹی سے وابستہ ہوئے اور عربی اور قانون کے ممتحن بنے- وہ مسلمانوں کے جداگانہ حق انتخاب کے زبردست داعی تھے- نواب ذوالفقار علی خان لاھور کے ساتھ ملکر جو انھوں نے اختلافی نوٹ لکھا وہ ان کا شاندار سیاسی کارنامہ گردانا جاتا ھے- ایس ایم اکرام:

Modern Muslim India and Birth of Pakistan ، ص، ۲۱-۳۲، وینگارڈ لاهور-

۱۱- تلکدار ایضاً ص ٦- مزید دیکھئے نریش کمار Muslims in India ، جلد دوئم ، ص ١٦٥-

۱۲- محمد بدر منیر "ایک عظیم سیاسی رہنما: حسین شہید سہروردی"، مضمون فیملی میگزین، لاهور، ۸-١٤ ستمبر ۱۹۹۲ء-

۱۳- تلکدار، ایضاً، ص - مزید دیکھئے نریش کمار، حوالہ سابقہ، ص ١٦٥-

١٤- سر عبدالرحیم مدنا پور مغربی بنگال میں پیدا ہوئے- کلکتہ یونیورسٹی سے ایم اے انگریزی میں اول رہے- بیگم بھوپال کے دیئے ہوئے وظیفے پر اعلی تعلیم کے لئے لندن روانہ ہوگئے- وهاں قانون کی اعلی تعلیم حاصل کی- محمڈن لا میں تخصص حاصل کرکے ۱۸۹۰ء میں وطن واپس لوٹے- ۱۹۰۸ء میں مدراس ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے اور متواتر گیارہ سال تک اس منصب پر رہے- ۱۹۰٤ء میں تاریخ ساز شملہ وفد میں وہ کلکتہ کے نمائندے کے طور پر لئے گئے- ۱۹۲۰ تا ۱۹۲۵ء تک وہ گورنر کی ایگزیکیٹو کونسل کے رکن رہے- ۱۹۲۵ء میں انھوں نے بنگال قانون ساز اسمبلی میں بنگال مسلم پارٹی قائم کی جسنے مسلمانوں کے جداگانہ حق انتخاب اور آبادی کے لحاظ سے ان کی ملازمتوں کا مطالبہ کیا- آل انڈیا مسلم لیگ کے سترھویں اجلاس منعقدہ علی گڑھ مورخہ ۳۰-۳۱ دسمبر ۱۹۲۵ء کی ایک نشست کی صدارت سر عبدالرحیم نے کی- اس میں انھوں نے جو خطبہ صدارت دیا، وہ دو قومی نظریئے کی عالمانہ اور محققانہ تشریح تھا- ۱۹۲۸ء میں بنگال مسلم کانفرنس کی صدارت بھی کی اور اس میں مدلل انداز میں نہرو رپورٹ کے مضر اثرات پر بحث کی- ۱۹۳۱ء میں سنٹرل لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن اور ۱۹۳۵ء میں اسی کے صدر بن گئے- ۱۹۳۹ء میں اسی ادارے کے سپیکر بنے اور ۱۹٤۷ء تک رہے- بقول شائستہ، سر عبدالرحیم کے گھر پر ہونیوالے ظہرانے اصل میں مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے غیر رسمی اجلاس ہوا کرتے تھے-

محمد علی چراغ، حوالہ سابقہ، ص ۳٤۹-۳۵۵، تلکدار، حوالہ سابقہ، ص ٦-

ایس ایم اکرام، حوالہ سابقہ، ص ۳۰٦-۳۱۰

۱۵- اختر جہاں کی شادی سر محمد سلیمان چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ کے صاحبزادے شاہ احمد سلیمان سے ہوئی- جبکہ شہاب سہروردی کا ۱۹٤۰ء میں لندن میں انتقال ہوگیا، جہاں وہ حصول تعلیم کے لیے گئے ہوئے تھے- تلکدار، حوالہ سابقہ، ص ٦-

١٦- ایضاً-

۱۷- کے این پانیکر، The Survey of Indian History ، بمبئی ۱۹۵۰ء، ص ۲٦-

۱۸- بیگم شائستہ ، حوالہ سابقہ، ص ۲۲-

۱۹- تلکدار، حوالہ سابقہ، ص ۸- لیکن نریش کمار نے خدیرپور کی بجائے بردوان لکھا ہے ، حوالہ سابقہ، ص ١٦٥-

۲۰- ایضاً ، ص ۹-
۲۱- ایضاً -
۲۲- اس زمانے میں سہروردی کے نزدیک حصول آزادی کی جدوجہد میں کامیابی کے لئے ہندو مسلم اتحاد ناگزیر تھا اور ہندو مسلم تفریق برطانوی استعماریت کو تقویت دینے کے لئے جنم دی گئی تھی- بیگم شائستہ، حوالہ سابقہ، ص ۲۳-
۲۳- اس معاہدے میں بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کو تسلیم کیا گیا تھا اور مسلمانوں کے حق جداگانہ انتخابات پر رضامندی ظاہر کی گئی تھی- مسلم طلبا کے لئے تعلیمی سہولتوں میں اضافہ کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا تھا- معاہدے میں اس بات کا بھی اقرار کیا گیا تھا کہ بشمول قانون ساز کونسل اور دیگر عوامی اداروں میں مسلمانوں کو مساوی نمائندگی دی جائیگی جب تک کہ وہ ہندوؤں کے مساوی نہ ہوجائیں (تعلیمی اور معاشی لحاظ سے)- اس معاہدے میں اس امر کی بھی نشاندہی کرائی گئی تھی کہ ہر تیسرے سال کلکتہ کے میئر کا عہدہ مسلمانوں کے لئے مختص کردیا جائیگا- تلکدار، حوالہ سابقہ، ص ۹-
۲٤- اس معاہدے پر عمل درآمد نہ ہوسکا کیونکہ سی آر داس ۱۹۲۵ء میں انتقال کر گئے اور ان کے جانشینوں میں اس قدر صلاحیت نہیں تھی جو اس کام کے لئے ناگزیر تھی- تلکدار ، حوالہ سابقہ، ص ۹- مزید دیکھئے بیگم شائستہ، حوالہ سابقہ، ص ۲۳-
۲۵- محمدؐ علی چراغ، حوالہ سابقہ، ص ٦٦٠-
۲٦- تلکدار ، حوالہ سابقہ، ص ۱۰-
۲۷- رابرٹ بیڈن پاول نے اسکاؤٹ تحریک شروع کی تو کلکتہ میں بھی ایک بوائے سکاؤٹ ایسوسی ایشن بنی جسکے چیف اسکاؤٹ خود گورنر بنگال تھے- اس ایسوسی ایشن میں یورپی خاندانوں کے بچے تھے- سہروردی نے مسلمان بچوں کو خدمت خلق سے سرشار کرنے کے لئے ایسوسی ایشن میں مسلمان بچوں کا ایک دستہ شامل کروایا- وہ خود کہتے تھے کہ سکاؤٹ ایسوسی ایشن سے میرا تعلق آج بھی قائم ہے- میں آج بھی مشرقی پاکستان بوائے اسکاؤٹ ایسوسی ایشن کا صدر ہوں- جسٹس این ایم مرشد: "حسین شہید سہروردی" مضمون "الزبیر" بہاولپور، ۱۹۷۰ء، ص ٦۳۵-
۲۸- محمد بدر منیر، حوالہ سابقہ -
۲۹- سہروردی اور ان کے ماموں، عبداللہ المامون نے قائداعظم کی تجاویز دھلی (۱۹۲۸ء) کی زبردست مخالفت کی جس میں اگرچہ بنگال کی مسلم اکثریت کو قائم کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا لیکن مخلوط انتخابات کو تسلیم کرنے پر رضامندی ظاہر کی گئی تھی- اسی طرح نہرو رپورٹ کو مسترد کرنے والے وہ پہلے مسلم رہنما تھے اور اس کے خلاف انھوں نے کلکتہ میں ایک جلسہ بھی منعقد کیا تھا- یہی وجہ تھی کہ وہ لیگ میں علامہ محمد اقبال (۱۸۷۷-۱۹۳۸ء) اور سر محمد شفیع (ف۱۹۳۲ء) کے ساتھ تھے-
۳- تلکدار ، حوالہ سابقہ، ص ۱۳-

۳۱- محمد بدر منیر، "حسین شہید سہروردی - فاتح بنگال" ، مضمون، نوائے وقت میگزین، ۱۱ دسمبر ۱۹۹۲ء- تحریک خلافت میں "سہروردی کا شاندار کردار" کو ہر اس مورخ نے واضح اور صریح الفاظ میں تحریر کیا ہے جس نے بنگال کی تاریخ میں اس دور پر قلم اٹھایا ہے- دیکھئے ایس ایم اکرام، حوالہ سابقہ، ص ۳۲۲، تلکدار، حوالہ سابقہ، ص ۹ بیگم شائستہ، حوالہ سابقہ، شورش کاشمیری، "حسین شہید سہروردی" ؛
شیلا سین، *Muslim Politics in Bengal* وغیرہ وغیرہ-

۳۲- جسٹس مرشد، حوالہ سابقہ، ص ۶۳۳-

۳۳- بیگم شائستہ، حوالہ سابقہ، ص ۲۷-

۳٤- سہروردی کی قائم کردہ نیشنل لیبر فاؤنڈیشن ملک کی سب سے بڑی نمائندہ تنظیم تھی- کیونکہ پورے ملک میں سب سے زیادہ اسی تنظیم نے رکنیت سازی کی تھی- سہروردی نے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی ۳٦ سودا کاری کی انجمنیں قائم کیں- تلکدار، حوالہ سابقہ، ص ۱۳ -

۳۵- تلکدار، حوالہ سابقہ، ص ۱٤ -

۳٦- ایضاً-

۳۷- تلکدار نے اس پارٹی کا نام انڈیپینڈنٹ مسلم پارٹی لکھا ہے (ص ۱٤) جبکہ بیگم شائستہ اور ایم اے ایچ اصفہانی نے اسکو یونائیٹڈ مسلم پارٹی لکھا ہے- یہی نام احسان راغب نے اپنی کتاب *Jibon noy Itihash*, Dhaka, 1964 اور سہروردی کے *Memoirs* میں درج ہے اور یہی نام درست ہے-

۳۸- مولوی فضل الحق کے علاوہ درج ذیل افراد نے بھی اس پارٹی میں شمولیت نہیں کی- نوشیر علی، شمس الدین احمد، ہمایوں کبیر، حسن علی نوابزادہ بوگرہ، سید بدرالدجی وغیرہ وغیرہ - ایم اے ایچ اصفہانی
Qaid-e-Azam Jinnah As I Knew him, 1976 ، کراچی، ۱۹۷٦ء، ص ۱۵ اور ۲۷-

۳۹- اصفہانی ، ایضاً، ص ۱۵-

٤۰- ایس ایم اکرام ، حوالہ سابقہ، ص ۳۱۱-۳۱۲ -

٤۱- تلکدار، حوالہ سابقہ، ص ۱۵ -

٤۲- یہ وفد چار ارکان خواجہ ناظم الدین، خواجہ خیر الدین، ایم اے ایچ اصفہانی اور عبدالرحمان صدیقی پر مشتمل تھا- سہروردی صاحب نے وسیع تر مسلم مفادات کے لئے بغیر کسی تردد کے قائداعظم کی دعوت پر لبیک کہا- خواجہ خیر الدین صاحب سے مصنف کا انٹرویو، مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۹۲ء-

٤۳- اصفہانی ، حوالہ سابقہ، ص ۲٦-

٤٤- بورڈ درج ذیل ممبران پر مشتمل تھا-
متحدہ مسلم پارٹی کے نمائندے: نواب خواجہ حبیب اللہ ڈھاکہ، خواجہ ناظم الدین، ایچ ایس

سہروردی، مولانا محمد اکرم خان، مولانا محمد باقی، مسٹر اے ایف رحمان، تمیز الدین خان، خواجہ شہاب الدین-
کرشک پراجہ کے نمائندے: فضل الحق، نوشیر علی، حسن علی، سید بدر الدجی، شمس الدین احمد-
مسٹر جناح کے نمائندے: مرزا احمد، کے نورالدین، عزیز انصاری، عبداللہ گنگی، اے آر صدیقی، سکندر دہلوی، ایم اے ایچ اصفہانی (اصفہانی، حوالہ سابقہ، ص ۲۷)-

۴۵- یہ اس وقت ہوا جب انتخابی منشور کا مسودہ تیار کیا جا رہا تھا- فضل الحق اور ان کے ساتھی منشور میں حسب ذیل نکات شامل کرانا چاہتے تھے کہ :
۱- زمینداری کو بلا کسی معاوضے کے ختم کردیا جائے-
۲- بنگال کے صوبہ میں بلا کسی خاص ٹیکس کے مفت ابتدائی تعلیم کا بندوبست کیا جائے-
ہم لوگ اس شکل میں ان دونوں تجویزوں کے مخالف تھے- ہمارا کہنا یہ تھا کہ جہاں تک زمینداری کو ختم کرنیکا سوال ہے، ہمیں اس سے اتفاق ہے لیکن اسے بلا معاوضہ کے ختم کردینا نہ صرف عقائد اسلام کے بلکہ کسی بھی دہریے کے نیک ضمیر کے بھی خلاف ہوگا- باقی رہا مفت ابتدائی تعلیم کا مسئلہ تو اس کے بارے میں ہمارا مؤقف یہ تھا کہ ہم بھی مسٹر فضل الحق اور ان کے ساتھیوں کی طرح خواہاں تھے کہ ابتدائی تعلیم مفت ہو لیکن ہم ایسا نہیں کرسکتے تھے کہ صوبائی بجٹ اس بار کا متحمل نہ ہو سکیگا- اس لئے ہماری تجویز یہ تھی کہ اس کام کے لئے ایک ٹیکس لگادیا جائے- ہماری یہ جوابی تجاویز جو معقول بھی تھیں اور قابل عمل بھی مسٹر فضل الحق کی پارٹی کے لئے قابل قبول نہ تھیں- (اصفہانی، حوالہ سابقہ، ص ۲۷ - ۲۸)-

۴۶- شائستہ اکرام، حوالہ سابقہ، ص ۳۸- لیکن اصفہانی نے یہ تعداد ۴۰ لکھی ہے (اصفہانی، ص ۲۹)- ایس ایم اکرام نے بھی اس کی توثیق کی ہے- البتہ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ فضل الحق کی پارٹی نے ۳۵ نشستیں حاصل کیں (اکرام، حوالہ سابقہ، ص۳۱۳)

۴۷- Ian Talbot, *Provincial Politics and the Movement of Pakistan,* Oxford, 1988, p. 62.

۴۸- سہروردی نے ۲۴ پرگنہ کلکتہ والی نشست خالی کی اور اس پر خواجہ ناظم الدین صدر صوبائی لیگ کو الیکشن لڑایا گیا کیونکہ وہ پٹھوکلی کے حلقے سے فضل الحق کے مقابلے میں انتخاب ہار گئے تھے-
بیگم شائستہ، حوالہ سابقہ، ص ۳۸- مزید دیکھئے اے ایس ایم عبدالرب *A.K.Fazal-ul-Haq*, Lahore, 1966, p 89.

۴۹- اس وقت تک مسلم لیگ نے ۲۱ آزاد امیدواروں کو مسلم لیگ میں شمولیت پر آمادہ کرلیا تھا اور انہوں نے اسکا باقاعدہ اعلان کر دیا تھا- بیگم شائستہ، حوالہ سابقہ، ص ۳۸-

۵۰- یہ وزارت کرشک - لیگ مخلوط وزارت کہلاتی جو ۱۰ افراد پر مشتمل تھی جسکی سربراہی مولوی فضل الحق کررہے تھے- سہروردی اور فضل الحق کے علاوہ درج ذیل افراد اسمیں شامل تھے :- سید مشرف حسین، خواجہ ناظم الدین، سید نوشیر علی، سر نلینی رنجان سرکار، مہاراجہ سریش چند راننڈی، سر بیجے پرشاد (Sir Bijoy Prasad) ، مسٹر مکھنڈا بہاری ملک (Mr. Mukhanda Behari Mullik) اور مسٹر پرساناديب راجکوٹ (Mr. Prasannadeb Rajkot)

اے ایس ایم عبدالرب، حوالہ سابقہ، ص ۸۹-۹۰-

۵۱- تلکدار، حوالہ سابقہ، ص ۱٦ -

۵۲- ایضاً-

۵۳- بنگال کی صورتحال یہ تھی کہ وهاں ۹۵ تا ۹۸ فیصد کاشتکار مسلمان تھے جبکہ ۹۹ فیصد سود پر قرضے دینے والے اور ۹۰ فیصد جاگیردار هندو تھے- مسلم کاشتکار مفلسی، تنگدستی اور غربت و افلاس کی تصویر تھے اور بنیا و مہاجن کے قرضدار تھے- ان کی معاشی حالت یہ تھی کہ وہ قرض کبھی بھی واپس نہیں کرسکتے تھے- نتیجتاً وہ اپنی زمینوں سے بے دخل ہو کر مزدور بنکر رہ جاتے تھے- بیگم شائستہ، حوالہ سابقہ، ص ۳٦-

۵٤- ایضاً-

۵۵- ایس ایم اکرام، حوالہ سابقہ، ص ۳۱۷-

۵٦- ایان ٹالبوٹ، حوالہ سابقہ، ص ٦۵-

ایک مرتبہ فضل الحق نے اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اگر کسی وقت یہ ہو کہ مسلم لیگ کے صدر کسی وجہ سے یہ اعلان کردیں کہ هندوستان کے مسلمانوں کو برطانیہ عظمی کے ساتھ تعاون نہ کرنا چاہیئے تو میں صورتحال بالکل واضح کردینا چاہتا ہوں کہ جب بھی وزارت میں میری حیثیت اور مسلم لیگ کی رکنیت میں تصادم ہوا تو میں مسلم لیگ کے حق کو ترجیح دوں گا اور اگر مجھ سے کہا گیا کہ میں وزارت سے نکل آؤں تو میں ایک لمحہ کے لئے بھی اس میں نہ رہونگا- ایم اے ایچ اصفہانی، حوالہ سابقہ ، ص ١٦٢-

۵۷- اس وزارت نے بنگال کے مسلمانوں میں امیدوں کے نئے چراغ روشن کئے- انہیں یقین اور اعتماد بخشا- انہوں نے احساس کمتری کو فراموش کیا اور وہ هندوؤں کی همسری کرنے لگے- بنگال اسمبلی میں مولوی فضل الحق اور سہروردی کی تقاریر کانگریسی رهنماؤں اور مہاسبھائی لیڈروں سے زیادہ بہتر تھیں اور انہوں نے اسمبلی کے هندو ممبران پر اپنی بالادستی قائم کرلی تھی-

بحوالہ ایس ایم اکرام، حوالہ سابقہ، ص ۳۱۲-

۵۸- چودھری محمد علی، ظہور پاکستان، لاہور، سن ندارد، ص ٦۰-

۵۹- ایم اے ایچ اصفہانی، حوالہ سابقہ، ص ۱۷۵-

٦۰- مسلم اکثریتی صوبوں سندھ اور سرحد میں سے مسلم لیگ کو ایک بھی نشست نہیں ملی- جبکہ پنجاب میں ۱۷۵ کے ایوان میں سے صرف ایک نشست مسلم لیگ کو حاصل

ہوئی- اکرام علی ملک A Book of Readings on the History of the Punjab ، لاہور، ۱۹۸۵ء - مزید دیکھئیے عاشق حسین بٹالوی: اقبال کے آخری دو سال، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۳۵۱-

٦۱- تلکدار، حوالہ سابقہ، ص ۱۸ -

٦۲- نوائے وقت میگزین، ٤ دسمبر ۱۹۹۲ء، ایضاً-

٦۳- جمیل احمد: "مولوی ابوالقاسم فضل الحق" مضمون "الزبیر" ، حوالہ سابقہ، ص ٦٤۳-

٦٤- ہربرٹ بنام لنلتھگو -۱۱ فروری ۱۹٤۲ء، این ڈی سی لاہور-

ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ گورنر بنگال اور فضل الحق کے درمیان کچھ انتظامی امور پر بھی اختلاف رائے تھا- جنگ کی صورتحال کی وجہ سے گورنر کی ہر ممکن کوشش یہ تھی کہ صوبے کی معاشی اور معاشرتی زندگی کسی بھی بحران سے دوچار نہ ہو- کیونکہ اسکا خیال تھا کہ مسلمانوں کا باھمی انتشار جنگی کاوشوں میں رکاوٹوں کا سبب بنے گا- ایس ایم اکرام، حوالہ سابقہ، ص ۳۱۸ -

٦٦- ایک نقطہ نگاہ یہ ہے کہ اس قحط کی ذمہ داری گورنر کیسی اور دو مقامی تاجروں برلا اور اصفہانی پر جاتی ہے (محمد بدرمنیر ، میگزین ، حوالہ سابقہ) جبکہ سہروردی کا خیال یہ ہے کہ مولوی اے کے فضل الحق اس سانحہ کے ذمہ دار ہیں- ان کا کہنا یہ ہے کہ پچھلی دو فصلیں تباہ ہوگئی تھیں اور فضل الحق نے اسکی طرف کوئی بھی توجہ نہیں دی تھی بلکہ ۱۹٤۲ء کی خوراک کانفرنس منعقدہ دہلی میں یہ اعلان کررہے تھے کہ بنگال میں خوراک کی کمی کا کوئی خطرہ نہیں (تلکدار، ایضاً، ص ۱۸)- اسکے برعکس برطانوی مؤرخ ٹالبوٹ لکھتا ہے کہ قحط کی بنیادی وجوہات میں سے برما پر جاپانی قبضے کی وجہ سے چاول کی برآمدگی میں کمی اور بنگال کے ذرائع نقل و حمل کا خاتمہ اہم ہیں- ٹالبوٹ، حوالہ سابقہ، ص ٦۸-

٦۷- جوں ہی بنگال میں لیگی وزارت قائم ہوئی تو غیر منقسم ہندوستان کی مرکزی حکومت کے ہندو وزیر خوراک اور ملک کے ان دیگر صوبوں نے جہاں غلے کا فاضل سٹاک موجود تھا (اور وہاں کانگرس وزارتیں تھیں)، جان بوجھ کر لیگی وزارت سے تعاون نہیں کیا تاکہ قحط کی ذمہ داری لیگی حکومت پر ڈالی جائے اور لیگ کے خلاف مضبوط و مؤثر پراپیگنڈہ کیا جاسکے-

(سہروردی سے انٹرویو "الزبیر" ص ٦۲٦)- فضل الحق نے پرانے سیاسی رہنما ہونے کے باوجود یہ مطالبہ کیا کہ صوبے میں لیگی وزارت ختم کرکے ۹۳ الف کے تحت گورنر راج نافذ کیا جائے- انڈین اینول رجسٹر حصہ دوئم، ۱۹٤۳ء (*Indian Annual Register II*, Half of1943)

٦۸- تلکدار، حوالہ سابقہ، ص ۱۹ -

٦۹- ایضاً- اسی رقم سے مسلم چیمبر آف کامرس نے ٦۰ مفت دودھ اور دلیے کے مراکز

قائم کئے اور روزانہ ۳۸ ہزار آدمیوں کے کھانے کا انتظام کیا گیا- اصفہانی، حوالہ سابقہ-

۷۰- سہروردی سے انٹرویو، "الزبیر"، حوالہ سابقہ، ص ٦٢٦-

۷۱- اصفہانی نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں جگہ جگہ سہروردی پر تنقید کی ہے لیکن اس موقع پر وہ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ اس زمانے میں مسٹر سہروردی نے عوام کے لئے بے شمار خدمات انجام دیں اور سینکڑوں ہزاروں انسانوں کی جان بچائی-

۷۲- انڈین اینول رجسٹر حصہ دوئم ۱۹٤۳ء (*Indian Annual Register II*, Half of 1943) ص ۱٤۲-۱٤٤ اور ۱٤۸-۱۵۱-

۷۳- قائداعظم نے براستہ سلہٹ بذریعہ ٹرین بنگال کا دورہ کیا لیکن کسی بھی انتخابی جلسے سے خطاب نہیں کیا- جہاں تک لیاقت علی خان کا تعلق ہے انہوں نے گفر گاؤں (Gafargaon) کے انتخابی حلقے کا دورہ کیا جوکہ ڈسٹرکٹ میمن سنگھ میں واقع تھا- لیکن وہاں انکا نمائندہ ہار گیا- تلکدار، حوالہ سابقہ، ص ۲۰ -

۷٤- سہروردی سے انٹرویو، میگزین، حوالہ سابقہ-

۷۵- بنگال مسلم اکثریتی صوبوں میں سے واحد صوبہ تھا جہاں لیگ کے تمام امیدوار مرکزی انتخاب میں بلا مقابلہ منتخب ہوئے تھے- ان افراد کے نام یہ تھے- عبدالرحمان صدیقی، سید سر حسین سہروردی، شیخ وضع الدین صدیقی، شاہ عبدالحمید، چودھری محمد اسماعیل خان، مولوی تمیز الدین خان، میگزین، حوالہ سابقہ -

۷٦- ایضاً-

۷۷- تلکدار، حوالہ سابقہ، ص ۲۱ -

۷۸- سہروردی نے کہا کہ مسلمانوں کے لئے مسلم لیگ کے علاوہ کوئی راستہ نہیں اور پاکستان کے علاوہ مسلمانوں کے لئے کوئی دوسرا نصب العین نہیں- آج وہ سندھ کا غدار ہو یا پنجاب کا غدار، وہ بھی پاکستان کے خلاف نہیں- اس ملک میں کسی ایسے شخص کے لئے کوئی گنجائش نہیں جو نظریہ پاکستان پر اعتقاد نہ رکھتا ہو- کیا پاکستان ہمارا آخری مطالبہ ہے- میں جواب میں یہ کہونگا کہ پاکستان ہمارا تازہ ترین مطالبہ ہے- قائداعظم! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ہمارا امتحان لیں- ہم مسلمانان بنگال پاکستان حاصل کرنے اور فتح کے لئے آپ کے حکم پر ہر قربانی کے لئے تیار ہیں- مزید دیکھئیے محمد بدر منیر، "فاتح بنگال سید حسین شہید سہروردی" ، فیملی میگزین، ٤ دسمبر ۱۹۹۲ء، ص ۲-

مزید دیکھئیے Stanley Wolpert, *Jinnah of Pakistan*, Oxford, 1984, p.26.

۷۹- محمد بدرمنیر ، فیملی میگزین، حوالہ سابقہ-

۸۰- ایضاً-

۸۱- مولانا ابوالکلام آزاد، *India Wins Freedom* ، نیو دھلی، ۱۹۵۹ء، ص ۱۵۸-

۸۲- ایضاً مزید دیکھیے شورش کاشمیری، "بوئے گل نالہ دل دود چراغ محفل"، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ٤٢٤-

۸۳- محمد بدر منیر، خواجہ بزرگ، ایضاً، مزید دیکھیے نریش کمار، حوالہ سابقہ، ص ١٦٦-

۸٤- مولانا ابوالکلام آزاد، حوالہ سابقہ، بحوالہ فیملی میگزین، حوالہ سابقہ -